اہم اردو مزاح نگاروں کا اسلوبیاتی مطالعہ

محمد عزیر☆

Muhammad Uzair

ڈاکٹر رخشندہ☆☆

Dr. Rakhshanda

Abstract:

Satire and comedy have proved themselves as very important part of Urdu literature. The writers of this genre play an important role in the happiness of their readers and in tearing apart the envelope of annoying seriousness in the society. They can discuss such problems very easily about which we can't utter even a single word in a serious way.A satire writer has a bitter way of saying while a comedian has a soft and polite style to achieve the goals. Methodical style of important comedians and wit writers has been studied in this article. Methodical style is a way to identify any writer. Style of a writer is the main tool to seek liking and attension of the readers. A comedian and wit writer can opt different methods to improve and to make their style more attractive. In the light of these methods, the style of a few wit writers and comedians have been studied below.

اردو ادب میں مزاح نگاری اور طنز اور ظرافت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دنیا کے ہر ترقی یافتہ ادب میں طنز و مزاح اور ظرافت کا وجود کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ مزاح اور ظرافت میں خفیف سا فرق موجود ہے اس لیے یہ ہم معنی بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ طنز و مزاح کے الفاظ بھی عموماً اکٹھے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مزاح کا بنیادی مقصد صرف ہنسانا ہے جب کہ طنز کا مقصد ہنسانے کے ساتھ ساتھ لطیف طریقہ کے ساتھ کسی پہ اعتراض کرنا بھی ہے۔

طنز اور مزاح کا مقصد زندگی کی ناہمواریوں اور کوتاہیوں کا احساس دلا کر قوم کو اس کی

☆ پی ایچ ڈی سکالر (اردو) نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

☆☆ مراد اسسٹنٹ پروفیسر نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد

خامیوں کی طرف متوجہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ مگر اس میں اس خیال کو بھی مدِ نظر رکھا جاتا ہے کہ اس امر میں کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو۔

''ادبی اصطلاحات''میں پروفیسر انور جمال طنز کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''ایسا مزاح جس میں مزاح کنندہ زندگی اور اس کے متعلقات کی مضحک اور ناہموار صورتوں سے نفرت اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اس انداز سے خندہ استہزاء میں اڑائے کہ وہ شخص یا جماعت جس کو موضوع بنایا گیا ہے، بظاہر ہنسے لیکن اندر ہی اندر خجالت محسوس کرے، گویا طنز ایک میٹھا زہر ہے۔ اگر طنز میں ظرافت نہ ہو تو وہ ہجو یا تعریض بن جاتی ہے۔''(۱)

پروفیسر انور جمال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے طنز اور مزاح کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طنز نفرت اور برہمی کا خلاقانہ اظہار ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ طنز میں میٹھی نشتریت ہوتی ہے کہ سننے والے کے دل میں ترازو ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ آہ نہیں کرتا بلکہ مسکراتا ہے۔ طنز نگار ناہمواری کو تبدیل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے لہٰذا نشتر زنی کرتا ہے۔ انور جمال لکھتے ہیں کہ مطائبات کے عالمی نقادوں کے نزدیک طنز کو مزاح پر یوں فوقیت حاصل ہے کہ مزاح کی نسبت طنز میں اثریت زیادہ ہوتی ہے۔

طنز اور مزاح میں موجود فرق کو وہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مزاح وقتی مسرت دیتا ہے اور طنز مسرت کے ساتھ تغیر حالات پر بھی اکساتا ہے۔ مزاح نگار کا کام صرف ہنسانا اور ماحول میں چھائی اداسی اور جامدیت کے خول کو توڑنا ہے۔ جب کہ طنز نگار اصلاح کا بھی متقاضی ہوتا ہے۔

عمومی رویہ طنز اور مزاح کے حوالے سے یہ ہے کہ ان کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال بھی کیا جاتا ہے جب کہ نقاد اور اصحابِ لغات دونوں میں فرق بیان کرتے ہیں۔ ادبی اصطلاحات میں مزاح کی تعریف سمجھنے کے لیے یہ اقتباس قابلِ غور ہے۔ زندگی کی مضحک صورت حال کا مشاہدہ کرکے اس کا ٹھٹھہ اڑانا مزاح ہے۔ حیات کی وہ ناہمواریاں جو عام انسان کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ ایک دور بین فنکار انہیں نہایت مہارت سے دیکھتا ہے اور پھر ان پر اس انداز سے فقرے کستا ہے کہ اس کا مزاُ تخلیقی پیرایہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ''مزاح'' ہے۔(۲)

مزاح کی مزید فہم وہ ان الفاظ میں کراتے ہیں کہ مزاح میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سے کسی کی تضحیک، دل شکنی یا تحریف نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو جس کا مزاق اڑایا جاتا ہے وہ اسے enjoy کرتا ہے۔

ہر زبان و ادب میں طنز و مزاح کا رجحان اس ملک کے سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی اور اقتصادی حالات کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ معاشرے میں رونما ہونے والی سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس کا تصور اور طریقہ کار بھی بدلتا رہتا ہے۔ طنز و مزاح کا تعلق معاشرت کے مسائل کے ساتھ وابستہ ہے۔ معاشرے کی روایات مستحکم ہوں گی تو طنز و مزاح کے ساتھ وابستہ ادب بھی عمدگی سے پیش کیا جائے گا اور جہاں گھٹن اور جبر کا ماحول ہو گا تو وہاں طنز و مزاح بطورِ فن اتنی ترقی نہیں کر سکتا۔

اگر طنز و مزاح کی تعریف پہ غور کیا جائے تو اس نتیجہ پہ پہنچا جا سکتا ہے کہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے طنز و مزاح کا وجود بہت ضروری ہے۔ اس سے نہ صرف ادب کی ایک صنف اپنی ار تقائی منزل کی تعمیر کر رہی ہوتی ہے بلکہ دوسری طرف قوم کو اپنی غلطیو ں کا احساس بھی ہوتا ہے۔ طنز و مزاح کی صنف کے ترقی کرنے سے لوگوں کے مزاج اور ثقافت کی آگاہی بھی ہوتی ہے۔ جس قوم کا اخلاق جتنا اعلیٰ ہو گا وہاں کا ادب بھی اتنا ہی ترقی یافتہ ہو گا۔ اور چونکہ طنز و مزاح ادب کی ایک صنف کے طور پر اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔ اس لیے اس کا دارومدار بھی قوم کے اخلاق پر موقوف ہے۔

یہ امر بھی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے کہ دیگر زبانوں کے ادب کے مقابلے میں اردو زبان کے طنزیہ و مزاحیہ ادب نے تھوڑے عرصہ میں حیرت انگیز ترقی کی ہے اور اس ترقی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ مزاح کا وجود تہذیب کے لوازم میں سے ہے۔ کسی بھی زبان کے مزاحیہ ادب کے سرمائے کو تہذیب سے ہٹ کر نہیں پرکھا جا سکتا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

> ”طنز و مزاح کا یہ سرمایہ نہ صرف کسی زبان کے نشو و نما و ارتقاء کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اہلِ زبان کے تدریجی ذہنی ارتقاء کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ اس سرمائے کا کماحقہ کا جائزہ لیا جائے اور تنقید و تبصرہ سے اس کی ممتاز خصوصیات کو اس انداز سے اجاگر کیا جائے کہ نہ صرف اس سرمائے کی ادبی اہمیت واضح ہو جائے بلکہ مختلف ادوار کی سماجی اور مجلسی تحریکات کی طرف ان ایام کے عام

لوگوں کے رد عمل کی داستان بھی صاف طور پہ پڑھی جاسکے۔ کسی زبان کے طنز ومزاح سے فائدہ اٹھانے کا یہی احسن طریقہ ہے۔"(۳)

پروفیسر حمید احمد خان نے بھی کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ بھی طنز و مزاح کی نہ صرف افادیت کے قائل ہیں بلکہ کسی بھی زبان کے تہذیبی سرمائے میں اس کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی کتاب "اردو ادب میں طنز و مزاح" پر تبصرہ کرتے ہوئے کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"یہ ظاہر ہے کہ مزاح کا وجود تہذیب کے لوازم میں سے ہے۔ نئے حالات اور معلومات کی روشنی میں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مزاح ہمارے اپنے ادب میں کس کس طرح اور کس کس شکل میں نمودار ہوا۔ جارج میریڈتھ نے "کامیڈی" اپنے مضمون میں یہ رائے دی ہے کہ جس معاشرے میں عورت پردے کے پیچھے ہو، وہاں مزاح کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ اس بناء پر اس نے دعویٰ کیا ہے کہ بغداد میں ہنسی، ٹھٹھا تو تھا مگر مزاح کا وجود نہیں تھا۔"(۴)

ان سطور سے مزاح اور تہذیب کے مابین تعلق کی عکاسی ہو رہی ہے کہ جو تہذیب زندہ ہو گی اور اپنے ارتقائی سفر کے عروج پہ ہو گی۔ وہاں لازم طنز و مزاح کا تصور موجود ہو گا۔ طنز و مزاح کی وجہ سے معاشرے میں دوسری اہم خوبی یہ پیدا ہوتی ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ اور سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اپنی خامیوں پہ اصلاح کا موقع بھی مل جاتا ہے اور انسان اپنے نفس کے اندر بھی جھانک کر دیکھ سکتا ہے کہ لوگ اس کے متعلق جو رائے قائم کر رہے ہیں وہ کہاں تک درست ہے۔

ایک متحرک اور زندہ معاشرے کے لیے طنز و مزاح کی ضرورت اور افادیت پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا کا کہنا ہے:

"ایسی سنجیدہ کائنات میں انسان کا سنجیدہ کاوشوں اور ٹھوس تعمیری کاموں میں منہمک ہو جانا ایک بالکل فطری امر ہے۔ تاہم یہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ سنجیدہ کائنات کا ایک انتہائی سنجیدہ جزو ہونے کے باعث اس کی انفرادیت کہیں یکسر ختم نہ ہو جائے اور وہ محض ایک مشین کی طرح فطرت کے اشاروں پر ناچتا نہ چلا جائے۔ خوش قسمتی سے قدرت نے انسان کو ایک ایسی نعمت بھی بخشی ہے جس سے کام لے کر وہ کائنات کی خوف ناک سنجیدگی اور زندگی کی صبر آزما کشمکش پر ہنس سکتا اور یوں مسکرا بلکہ قہقہ

لگا کر اپنی اس دیوانہ وار پیش قدمی میں دھیما پن پیدا کر سکتا ہے جو زندگی کے تیز بہاؤ سے ہم آہنگ ہے۔"(۵)

چونکہ انسان اپنی سنجیدگی کے ساتھ ساتھ زندگی میں مختلف مسائل اور غموں کا سامنا بھی لامحالہ طور پر کرتا ہے۔اس ماحول میں مزاح اور اس کے مظہر ہنسی، مزاح اور قہقہ انسانی ذہن کو کچھ دیر اپنے مسائل اور غموں سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ غور و فکر سے کام لیا جائے تو مزاح کی بنیادی وجہ ہنسی ہی ہے۔اور یہ ہنسی افراد کو باہم مربوط رکھنے کا کام بھی سرانجام دیتی ہے۔اس نکتہ نظر کو مزید وضاحت ڈاکٹر وزیر آغا یوں کرتے ہیں:

"ہنسی نہ صرف افراد کو باہم مربوط ہونے کا پیغام دیتی ہے بلکہ ہر اس فرد کو نشانہ تمسخر بنانے کا کام بھی سرانجام دیتی ہے جو سوسائٹی کے مروجہ قواعد وضوابط سے انحراف کرتا ہے۔ چنانچہ مزاحیہ کردار صرف اس لیے مزاحیہ نظر آتا ہے کہ اسے بعض ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ جن سے سوسائٹی کے دوسرے افراد محفوظ ہوتے ہیں۔"(۶)

مزاح نگاری کے لیے مزاح نگار عموماً چار حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک حربہ موازنہ ہے۔ مزاح نگار دو مختلف چیزوں کی آپس میں مشابہت اور تضاد سے ناہمواریاں دکھاتا ہے اور اپنے قاری کو ہنسی پر مجبور کرتا ہے۔ معاصر مزاح نگاروں کے ہاں عموماً اس حربے کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔

طنز و مزاح کے لیے دوسرا حربہ زبان و بیان کی بازی گری ہے۔ لفظی بازی گری سے مزاح پیدا کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ جن میں سے ایک رعائت لفظی بھی ہے۔ اس میں لفظ کو اس طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے کہ لفظ پڑھنے والے کو دو مختلف مطالب کا احساس ہو۔ چنانچہ اس کی مدد سے ایک ایسی بات بھی آسانی سے کہہ دی جاتی ہے جس کے عام انداز میں کہنے سے کسی رد عمل کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح ایک حربہ صورتِ واقعہ بھی ہے۔ اس میں مزاح نگار کسی عام سے واقعے کو بھی اس انداز اور مہارت سے پیش کرتا ہے کہ قاری کے پاس ہنسنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ اور اس کی یہ ہنسی کسی شعوری کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اچانک پیش آجانے والے کسی واقعے کی عکاسی ہوتی ہے۔

چوتھا کامیاب حربہ کردار نگاری ہے۔وہ مزاحیہ کردار جس کی وجہ سے سارا ماحول مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔جب مزاح نگار ایک بار ایسے کردار کی تخلیق کرلیتا ہے تو پھر اس کا سرسری ذکر ہی ماحول کو خوش گوار بنادیتا ہے اور سنجیدہ سے سنجیدہ انسان کو بھی تبسم پر مجبور کردیتا ہے۔''چچا چھکن'' اور ''خوجی'' کا کردار اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

اردو زبان کی شاعری میں ''اودھ پنچ'' ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے اجراء سے طنزومزاح کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔شاعری میں مزاح کی ایک اہم رو ہجویات کی نظر آتی ہے۔اوراس حوالے سے نمایاں ترین نام مرزا محمد رفیع سودا کا ہے۔سودا کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ظرافت کی طرف ان کا میلانا تنا قوی تھا کہ ان کے مقابلے میں کسی دوسرے کا نام نظر نہیں آتا۔سودا کی زیادہ تر ظرافت ہجو نگاری تک ہی محدود ہے۔ان کی ظرافت اور مزاح کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ''در حقیقت سودا کی ساری ظرافت ہجو نگاری تک محدود ہے۔اوراسی کے طفیل وہ بعض اوقات ماحول کی بے اعتدالیوں کو نمایاں کرتے اور بعض اوقات محض ذاتی عناد کی بناء پر دوسروں کی پگڑیاں اچھالتے نظر آتے ہیں۔مؤخرالذکر چیز سودا کی ہجو نگاری کا ایک تاریک ورق ہے۔چونکہ طنز کے لیے ذاتی عناد اور تعصب سے پاک رہنا ازحد ضروری ہے۔لہذا جب سودا کی ہجو نگاری میں ایسے عناصر شامل ہو جاتے ہیں تو نہ صرف ان کی طنز کی ہمہ گیری پر حرف آتا ہے بلکہ اس کی ادبی حیثیت بھی کم ہو جاتی ہے۔''(۷)

سودا کے ساتھ اس دور میں ہجو نگاری کے ضمن میں میر کا نام بھی لیا جاتا ہے۔لیکن میر ت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے اپنی ہجویات ذاتی تعصبات سے پاک رکھی ہیں۔انہوں نے اپنے گھر کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بے حد قابلِ تعریف ہے۔اور گھر کی یہ ہجو میر کی طبیعت کے عین مطابق بھی ہے۔اس سے ان کی وسعتِ قلبی کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے کہ وہ خود کو بھی نشانہ بنانے سے گریز نہیں کرتے۔

''مثنوی در ہجو خانہ خود'' کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کیے جاسکتے ہیں:

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں، میں ہوا پامال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے

سخت دل تنگِ یوسف جاں ہے
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دل عاشق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی خاک

الغرض اس دور کی اہم صنف ہجو رہی ہے۔ جس میں سودا اور میر کے علاوہ بھی بہت سے شعراء نظر آتے ہیں۔ انشاء، مصحفی اور بقاء اللہ خان بقاء بھی ایک دوسرے کی ہجو کرتے نظر آتے ہیں۔ دراصل اردو ادب میں ہجو نگاری فارسی ادب سے آئی تھی۔ اور جب فارسی ادب کے اثرات کم ہوئے تو ہجو نگاری کا طوفان بھی تھم گیا اور طنز و مزاح نے ایک نئی اور مثبت کروٹ لی۔ اردو شاعری میں مزاح کی ایک اہم رو کے نمائندے نظیر اکبر آبادی بھی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی خصوصیت کہ ان کی مزاح ہجو سے پاک ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات عوامی ہیں عام آدمی کے مسائل وہ بیان کرتے ہیں اور انہی سے اپنی نظموں کے عنوانات کشید کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''نظیر کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو ایک اور لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ نظیر نے اردو شاعری کے ابتدائی دور میں ہی مزاح اور طنز کا ایسا معیار قائم کیا جو مغربی ادب سے متاثر ہوئے بغیر اس کے جدید تصور سے بہت قریب تھا۔''(۸)

اس اقتباس کی مزید وضاحت کے لیے نظیر کے یہ اشعار دیکھے جاسکتے ہیں۔ جن میں خالص مزاح کی جھلک دکھائی گئی ہے:

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہی یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی نماز اور قرآن یہاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

شاعری کی اس مزاحیہ روایت میں مرزا غالب کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے کلام میں بھی شاعرانہ مزاح کے خالص نمونے ملتے ہیں۔ یہ شاعرانہ مزاح شاعر کو زندگی کے کھوکھلے پن کا گہرا احساس دلاتا ہے۔ لہذا وہ مزاح سے انسانی دل میں پیدا ہونے والی بے لگام خواہشات کو روکنے

کی تگ و دو کرتا ہے اور ان کی توقعات کو کم کر کے ان کو ناکامی کا سامنا کرنے کی ہمت بھی دلاتا ہے۔غالب کا کہنا ہے:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے یہ سال اچھا ہے

شاعری میں مزاح کی اس روایت کو مزید یدتوانا کرنے میں ''اودھ پنچ'' کا کردار ہمارے سامنے ہے۔۱۸۷۷ء میں جب اودھ پنچ کا اجراء ہو ا تو طنزومزاح لکھنے والوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ملک کے طول وعرض میں شعراءطنزومزاح پر مبنی اشعار کہنے لگے۔اس دور میں ہمیں بہت سے نام نظر آتے ہیں۔مگر جو نام اہم ہیں،ان میں مولوی سید عبدالغفور شہباز،پنڈت تربھون ناتھ ہجر،پرشاد برق،منشی احمد علی شوق،نواب سید محمد آزاداور اکبر الہ آبادی ہیں۔ان کی شعراء کی وابستگی نے اودھ پنچ کو چار چاند لگائے ہیں۔چونکہ یہ اخبار کانگریس نظریات سے وابستگی رکھتا تھا۔اس لیے اس نے حالی،سرسید اور شرر کا خوب مزاق اڑایا۔یہ خود بھی قہقہ لگاتے اور دوسروں کو بھی قہقہ لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ان کی طنز میں زہرناکی اور طنز کا اس حد تک اثر ہے کہ جو بھی اس کا نشانہ بنتا ہے وہ روتا ہے۔ان مزاح نگاروں میں اہم مقام اکبر الہ آبادی کا ہے۔طنزوظرافت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔انہوں نے مزاح کو تعمیری جذبے سے اپنایا۔سماج اور ماحول پر اثرانداز ہونے والے انگریزی غلبے پر زبردست چوٹیں کیں۔انہوں نے جو کچھ کہا محض قوم کی اصلاح کی غرض سے کہا۔اکبر کا زمانہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کا زمانہ ہے۔جب پورے ماحول میں ہندوستانی تہذیب کے مقابلے میں مغربی تہذیب کی ہوا پھیل رہی تھی۔مادیت اور سائنس کے غلبے کا دور تھا۔مغربی عادات و اطوار کی دعوت تحریکِ سرسید کا جزو بن چکی تھی۔ایسے حالات میں مغربی تہذیب کے جادو کا توڑ اکبر نے اپنی شاعری سے کیا۔ان کی شاعری کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے نہایت قریب اور فطرت کے عین مطابق اپنی شاعری کو پروان چڑھایا۔اکبر کی یہ خوبی انہیں دنیائے ادب میں سلامت رکھنے کا باعث بنے گی۔

مغربی تہذیب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اکبر کا کہنا ہے:

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا

شیخ و مسجد سے ترکِ تعلق کر، سکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر خوشی سے پھول جا

ایک اور شعر میں مغربی تعلیم سے متاثرہ شخص کی بابت اکبر کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے :

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

اکبر نے جس طرح ہنگامی حالات اور سماج کے حقیقی مسائل کو اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی تھی اور مغربی تہذیب کے آگے بند باندھنے کو آگے بڑھے تھے۔ ان کے بعد ان کی پیروی کرتے ہوئے شبلی نعمانی اور مولانا ظفر علی خان بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ دونوں شاعر زندگی کے اجتماعی مسائل اور قومی تنزل پہ بات کرتے ہیں تو ایک ہی نکتے پر اکٹھے نظر آتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خان اور شبلی نعمانی کے طنز و مزاح کے بارے میں بھی انہی قسم خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''مولانا ظفر علی خان کی طنز بیشتر اوقات جذبات کی فراوانی اور جوش و ولولہ کی شدت کے باعث مزاح سے اپنا دامن چھڑا لیتی ہے۔ لیکن شبلی کی طنز میں مزاح کا عنصر ضرور موجود رہتا ہے۔''(۹)

اردو شاعری کے دورِ جدید میں ضمیر جعفری، مخمور جالندھری اور شاد عارضی کے علاوہ محمد عاشق بھی نظر آتے ہیں۔ ضمیر جعفری نے سماج اور اس کی ناہمواریوں پر طنز کیا ہے۔ راجہ مہدی علی خان بھی سماج کے مسائل اور زندگی کی مریضانہ کیفیتوں کو ہدفِ تنقید بناتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی مشہور نظم ''ایک جہلم پر'' سماج کے رسوم و رواج پر طنزیہ و مزاحیہ اسلوب کی حامل ہے۔ ان کی طنز میں گہرا اثر موجود ہے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ ''اندازِ بیان اور'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ان کی مذکورہ نظم میں طنز و مزاح کی جھلک دیکھنے کے لیے یہ اشعار قابلِ ذکر ہیں۔

بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ
ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ
وہ جنت میں خوشیاں منائے گا مت رو
وہ حوروں سے اب دل لگائے گا مت رو

رضیہ ذرا گرم چاول تو لانا
ذکیہ ذرا ٹھنڈا پانی تو پلانا
منگانا ذرا پلاؤ اور خالہ
بڑھانا ذرا قورمہ کا پیالہ
جدھر دیکھتے ہیں ادھر غم ہی غم ہے
کریں اس کا جتنا بھی ماتم وہ کم ہے
بہت خوبصورت بہت نیک تھا وہ
ہزاروں جوانوں میں بس ایک تھا وہ

اس نظم میں شاعر کے تخیل اور فن کی بلندی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے عام فہم اور ہلکے پھلکے انداز میں معاشرتی رسومات خصوصاً فوتیدگی کے موقع پر لوگوں کے رویہ کو ہدفِ طنز بنایا ہے کہ جس گھر سے جنازہ اٹھ رہا ہوتا ہے وہاں بھی لوگوں کو کھانے پینے کی فکر رہتی ہے۔ مرحوم کی جوان بیٹیوں اور بہوؤں کی سرخ آنکھوں اور بہتے پانی کا لحاظ کسی سے نہیں رکھا جاتا اس کیفیت میں وہ کھانا تقسیم کر رہی ہوتی ہیں۔ سماج کو اس رسمِ قبیح کا خاتمہ کرنا چاہیے۔ شاعر یہی پیغام دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

اردو نثر میں طنز و مزاح کی روایت مرزا غالب کے خطوط سے ملتی ہے۔ غالب سے اپنے بے ساختہ اور بے تکلفانہ خطوط کے ذریعے اردو نثری سرمائے میں ظرافت کا ایک نیا رنگ شامل کیا تھا۔ انہوں نے انگریزی ادب میں موجود مزاحیہ اسلوب کا اردو میں تجربہ کیا اور خالصتاً مزاح کی روش کو اپنایا۔ غالب سے قبل اردو نثر میں ایسا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس حوالے سے غالب کے بہت سے خطوط موجود ہیں۔ ان کے قریبی دوستوں کے نام لکھے گئے خطوط میں یہ سارے رنگ موجود ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''قبلہ: کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست، جو غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا اور کیوں کر جیتا ہے۔''(۱۰)

ایک اور دوست کے نام کے نام خط میں غالب لکھتے ہیں:

> ''آج میرے پاس نہ ٹکٹ ہے نہ دام۔ معاف رکھنا۔ والسلام۔''(۱۱)

غالب کے مزاح کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے دوسروں کو بہت کم نشانہ بنایا ہے۔ زیادہ تر اپنے آپ پر ہی ہنستے ہیں۔ غالب محض فقرے کسنے ہی سے مزاح نہیں پیدا کرتے

بلکہ ان کا نارمل انداز گفتگو بھی قاری کو تبسم پر مجبور کرتا ہے۔ میرن صاحب کے نام خطوط اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔اس حوالے سے ایک مثال دیکھی جاسکتی ہے۔ایک موقع پر میر مہدی حسین مجروح غالب کے پاؤں دابنے لگے۔غالب نے کہا کہ بھئی تم سید زادے ہو۔کیوں گناہ گار کرتے ہو۔میر مہدی نے کہا ''اچھا آپ اجرت دے دیجئے گا۔''بعد میں انہوں نے اجرت کا تقاضا کیا تو غالب نے برجستہ جواب دیا کہ ''بھئی :اجرت کیسی۔۔تم نے میرے پاؤں دابے۔۔میں نے تمھارے پیسے دابے۔حساب برابر ہو گیا۔''

ایک خط میں اپنے روزوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کا-ٹا۔آئندہ خدا رزاق ہے۔کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔پس صاحب۔۔اگر ایک چیز کھانے کی ہو گی۔اگرچہ غم ہی ہو تو کیا غم ہے۔''(۱۲)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

> ''دھوپ بہت تیز ہے۔روزہ رکھتا ہوں مگر روزہ کو بہلاتا رہتا ہوں۔کبھی پانی پی لیا کبھی روٹی کا کوئی ٹکڑا کھا لیا یہاں کے لوگ عجب فہم رکھتے ہیں۔میں تو روزہ بہلاتا ہوں اور یہ صاحب کہتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتا، یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے۔''(۱۳)

غالب کے ہاں خط کا ڈرامائی انداز بھی اسی عمدگی کا حامل ہے۔ایک خط میں مغلوں کا ذکر کرتے ہوئے غالب کی حسِ مزاح بیدار ہوتی ہے اور لکھتے ہیں:

> ''بھئی، مغل کے بچے بھی غضب کے ہوتے ہیں۔جس پر مرتے ہیں اسے مار رکھتے ہیں۔''(۱۴)

اپنی مفلسی اور نادانی کا ذکر کرتے ہوئے غالب کا لکھنا ہے:

> ''زندہ ہوں، مردہ نہیں، بیمار بھی نہیں۔بوڑھا، ناتواں، مفلس، قرض دار، کانوں کا بہرہ، قسمت سے بہرہ، زیستے سے بیزار مرگ کا امیدوار۔''(۱۵)

مرزا غالب کے بعد مزاح نگاری کا اگلا دور ''اودھ پنچ'' سے شروع ہوتا ہے۔اس اخبار نے اردو نثر اور شاعری میں بھرپور انداز میں طنز و مزاح کا آغاز کیا۔یہ ایسا وقت تھا جب سماج میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔اس نے فضا کو اعتدال میں لانے کی کوشش کی۔''اودھ پنچ'' کے اس دور کے لکھنے والوں میں رتن ناتھ سرشار اہم تھے۔ان کے ہاں طنز زیادہ اور مزاح کم تھا۔انہوں نے

خوجی اور آزاد کے جو متضاد کردار پیش کیے ہیں ان کی مدد سے جہاں انہوں نے لکھنؤ کی قدیم تہذیب کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہاں سماجی شعور کا بے رحم تجزیہ بھی کیا ہے۔ سرشار کی مزاح نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کا کہنا ہے:

> ''طنز کی نسبت سرشار کے ہاں مزاح نگاری زیادہ ہے۔ اگرچہ یہاں بھی وہ مزاح نگاری میں وہ گہرائی پیدا نہیں کر سکے اور بعض اوقات تو ان کے مزاح کا معیار بہت پست ہو جاتا ہے۔ تاہم ان کے ہاں واقعے سے پیدا ہونے والے مزاح کے بہت سے نمونے موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خاصے اچھے ہیں۔ اس طرح انہوں نے مزاحیہ کردار سے بھی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔''(۱۶)

سرشار کے بعد اس ضمن میں منشی سجاد حسین کا نام آتا ہے۔ وہ ''اودھ پنچ'' کے ایڈیٹر تھے۔ سجاد حسین خود بھی کمال کے لکھنے والے تھے۔ ان کے وضع کردہ کردار آج بھی کامیاب مزاحیہ کردار سمجھے جاتے ہیں۔ جن میں ''حاجی بغلول''، ''طرح دار لونڈی'' اور ''احمق الدین'' بطور مثال ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ سجاد حسین نے ہندوستانی روساء کے نام جو خطوط لکھے تھے وہ بھی دلچسپ اور طنز سے بھرپور ہیں۔ ''لوکل'' اور ''منافقتِ زمانہ'' کے عنوان سے چھپنے والے ان کے مضامین بھی طنز و مزاح پر مشتمل ہیں۔

''اودھ پنچ'' کا یہ دور خاصا طویل ہے جو بیسویں صدی کے خمس اول تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس کا وہ زور نہیں رہا تھا جو ابتداء میں دکھائی دیتا تھا۔ یہاں سے اردو نثر کا ایک عبوری دور شروع ہوتا ہے۔ جو بیسویں صدی کی ابتداء سے اس کے پہلے پچیس سال تک جاری رہا۔ اس دور میں اردو نثر میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ طنز و مزاح کی روایت بھی مستحکم ہوگئی تھی۔ اس دور میں مواد کی نسبت اسلوب پر زیادہ توجہ دی گئی تھی۔ اس دور میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ کتنا لکھا گیا بلکہ یہ امر ملحوظ رہا کہ جو لکھا جارہا ہے وہ کتنا معیاری ہے۔ اس دور کے لکھنے والوں میں مہدی افادی، محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، سلطان حیدر جوش، سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند، سجاد علی انصاری اور قاضی عبدالغفار کے نام اہم ہیں۔

تیسرے دور کے لکھنے والوں میں پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، ملا رموزی، عظیم بیگ چغتائی، مرزا فرحت اللہ بیگ اور شوکت تھانوی کا نام آتا ہے۔ اس دور میں ہماری معاشرت میں

زندگی کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ ادب نے زندگی میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اور ادب لکھنے والوں نے زندگی اور ادب کے باہمی رشتوں کو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

پطرس بخاری کی مزاح اور ظرافت کا انحصار الفاظ پر نہیں بلکہ ان کے پیش کردہ واقعات پر تھا۔ ان کی ظرافت میں مغربی رنگ غالب ہے۔ وہ دوسروں پر تو ہنستے ہیں لیکن اپنے آپ پر ہنسنے کی جرات نہیں ہوتی۔ ان کے ہاں زبان میں رنگینی ورعنائی ضرور ہے لیکن بے ساختگی کا فقدان ہے۔

ان کے بعد مرزا فرحت اللہ بیگ کا نام آتا ہے۔ جو نہ صرف اپنے اسلوبِ بیان کے حوالے سے اہم ہیں۔ بلکہ ان کو روزمرہ اور محاورے میں بھی خاص مقام حاصل ہے۔ یہ الفاظ کے رکھ رکھائو اور جملے کے ٹھہرائو سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ان کی مزاح نگاری میں مغربیت کے مقابلے میں مشرقیت کے عناصر زیادہ ملتے ہیں۔

اس دور کے لکھنے والوں میں رشید احمد صدیقی بھی صاحبِ طرز مزاح نگار ہیں۔ آپ نہ صرف خود مزاح لکھنے والے تھے بلکہ آپ نے بطورِ صنف مزاح اور طنز کی تاریخ کو بھی ترتیب دیا اور اس صنف کی آبیاری میں اپنا کردار ادا کیا۔ طنزیات و مضحکات میں انہوں نے طنز و مزح کو بطورِ فن مختلف پہلوئوں کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ یہ کتاب طنز و مزاح کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے اسلوب میں وہی طنز ہے جو اکبر الہ آبادی کے ہاں ملتا ہے۔ ان کی ظرافت کا رنگ پھیکا نہیں پڑتا۔ وہ دوسروں کو ہنساتے ہیں مگر خود لاتعلق سے بن جاتے ہیں۔ ان کے ہاں مشاہدے اور تجربے سا ایک عام سے واقعے سے مزاح پیدا کرنے کی مثالیں بھی دستیاب ہیں۔ ان کے مضامین کی ایک اہم خوبی الفاظ کا رکھ رکھاؤ ہے۔ اس ضمن میں ان کی انفرادیت تسلیم کی جاتی ہے۔

اسی تیسرے دور کے ایک اہم مزاح نگار مرزا عظیم بیگ چغتائی بھی ہیں۔ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں واقعات سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ وہ اول تا آخر مشرقیت میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان کی ظرافت میں فطری رنگ غال نظر آتا ہے۔ ان کے فقروں میں توازن پایا جاتا ہے۔ کسی کی ذات پر وہ براہ راست حملہ نہیں کرتے۔

اسی زمانہ میں شوکت تھانوی بھی اپنے اسلوب کا جادو جگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے موضوعات میں خانگی اور معاشرتی زندگی ہے۔ ان کے ہاں بات سے بات نکالنے اور زبان و بیان کی شگفتگی کے عناصر واضح ہیں۔ وہ اپنے ممدوح کی نااہلی پر خود بھی ہنستے ہیں اور قاری کو بھی ہنساتے ہیں۔ ان کی ظرافت میں جذباتیت کا شدید غلبہ ہوتا ہے اور صحافیانہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا شوکت تھانوی کی مزاح نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مگر جو زبان و بیان سے قطع نظر شوکت تھانوی کی مزاحیہ تخلیقات کا جائزہ لیا جائے تو سودیشی ریل، تعزیت اور لکھنؤ کانگریس سٹیشن سے قطع نظر (کہ ان میں بعض موقعوں پر) وہ خاصے کامیاب رہے ہیں۔ ان کی دوسری تحریروں میں مزاح کے معیار میں کسی خاص بلندی کا احساس پیدا نہیں ہوتا اور اگرچہ وہ بعض اوقات عملی مزاق اور بعض دفعہ واقعہ اور کردار سے بھی مزاح پیدا کرتے ہیں۔ تاہم ہمدردانہ نقطہ نظر کی کمی ہر حال محسوس ہوتی ہے۔"(۱۷)

پطرس بخاری اور شوکت تھانوی کی طرح امتیاز علی تاج کے ہاں بھی مزاح کے بیشتر حربوں کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے بھی واقعہ اور کردار سے مزاح پیدا کیا ہے۔ چچا چھکن ان کا ایک لازوال کردار ہے۔ جس کے گرد واقعات کی بنت سے مزاح کے جوہر تراشے گئے ہیں۔ ان کا یہ کردار اس قدر دلچسپ ہے کہ اس کا معمولی سا تذکرہ ہی ماحول کو خوش گوار بنا دیتا ہے۔ اور سنجیدگی کو اڑا کر رکھ دیتا ہے۔

عصرِ حاضر میں مشتاق احمد یوسفی کا مزاح نگاری میں مقام و مرتبہ اہلِ ادب کے ہاں مسلمہ ہے۔ (ان کے رخصت ہو جانے سے ایک خلا محسوس ہو رہا ہے) یوسفی نے تقسیم کے بعد اس صنف میں طبع آزمائی شروع کیا اور ایک وسیع حلقے کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یوسفی کی خاص بات الفاظ و تراکیب کے برمحل اور عمدہ استعمال سے اپنے اسلوب کی بنت ہے۔ ان کے ہاں دیگر زبانوں کے الفاظ اور تحریف و تضمین سے بھی مزاح کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ عربی، فارسی، پنجابی اور دیگر زبانوں کے الفاظ کا عمدہ استعمال ان کے ہاں موجود ہے۔ یوسفی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہم عہدِ یوسفی میں جی رہے ہیں۔ ان کی تصانیف "چراغ تلے" اور "خاکم بدہن" پر انہیں آدم جی ادبی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ اپنے مضمون "چارپائی اور کلچر" میں یوسفی مزاح کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"ایشیا نے دنیا کو دو نعمتوں سے روشناس کرایا ہے۔ چائے اور چارپائی، اور ان میں یہ خاصیت مشترک ہے کہ دونوں سردیوں میں گرمی اور گرمیوں میں ٹھنڈک پہنچاتی ہیں۔ اور گرمی میں لوگ چارپائی پر سوار رہتے ہیں تو برسات میں یہ لوگوں پر سوار رہتی ہے۔"(۱۸)

ان کے اسلوب کا ایک اور عمدہ نمونہ ان کے ایک مضمون "موسموں کا شہر" میں وہ لکھتے ہیں:

"انگریزوں کے متعلق، مشہور ہے کہ وہ طبعاً کم گو واقع ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ فقط کھانے اور دانت اکھڑوانے کے لیے منہ کھولتے ہوں گے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ

ہو گا کہ اگر انگلستان کا موسم اتنا واہیات نہ ہوتا تو انگریز بولنا بھی نہ سیکھ سکتے اور انگریزی زبان میں کوئی گالی نہ ہوتی۔ کم و بیش یہی حال ہم اہلیانِ کراچی کا ہے۔ میں ایسے شہر کی برائی کرنے میں کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جو شخص کبھی ایسے شہر کی برائی نہیں کرتا وہ یا تو جاسوس ہے یا میونسپلٹی کا آفیسر۔"(۱۹)

ممتاز شاعر، صحافی اور ادیب ضمیر جعفری بھی اہم مزاح نگار ہیں۔ مزاحیہ ادب میں ان کی کتابیں اڑتے خاکے اور کتابی چہرے اہم ہیں۔ شاعری کے مقابلے میں نثر میں کم مگر عمدہ لکھا۔ ان کی ادبی خدمات پر انہیں آدم جی ادبی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ اسی صف میں ایک اور اہم مزاح نگار ابن انشاء بھی ہیں۔ ان کا اصل نام شیر محمد خان تھا۔ انہوں نے دو مختلف اصناف پر بیک وقت کام کیا۔ ان کے مضامین اور خصوصاً فکاہیہ کالموں نے خوب شہرت حاصل کی۔ وہ دس سال تک مختلف قلمی ناموں سے مزاحیہ ادب کو اپنے فکاہیہ کالموں سے آباد کرتے رہے۔ حاجی بابا اصفہانی، پہلا درویش، چہار درویش، قاضی امراؤ اور ابن انشاء ان کے قلمی نام رہے ہیں۔ ان میں سے ابن انشاء ان کی پہچان کی وجہ بنا۔ سفر نامہ ہو یا مضامین ،ان کے ہاں طنز و مزاح کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ انہوں نے بھی غالب کی طرح دوسروں کے بجائے زیادہ تر اپنے آپ کو ہی طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اپنے ایک مضمون "گدھے" میں لکھتے ہیں:

"گدھا بڑا مشہور جانور ہے۔ گدھے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ چار پاؤں والے ،دو پاؤں والے۔ سینگ ان میں سے کسی کے بھی سر پر نہیں ہوتے آج کل چار پاؤں والے گدھوں کی نسل گھٹ رہی ہے۔ دو پاؤں والوں کی بڑھ رہی ہے۔"(۲۰)

"چارپائی" پر لکھے مضمون میں ان کا یہ انداز ملاحظہ کیجئے:

"چارپائی بڑے کام کی چیز ہے۔ اسی پر لوگ سوتے ہیں۔ گاتے ہیں۔ کھاتے ہیں۔ روتے ہیں۔ مرتے ہیں اور جیتے ہیں پڑھے لکھے لوگ لیٹتے وقت کچھ کتابیں بھی اپنے ساتھ چارپائی پر رکھ لیتے ہیں۔"(۲۱)

ان کے علاوہ اے حمید، مستنصر حسین تارڑ، ڈاکٹر یونس بٹ، کرنل محمد خان اور عطاء الحق قاسمی بھی اہم مزاح نگار ہیں۔ عصر حاضر کے مزاحیہ ادبی سرمائے میں ان سب کا اہم کردار ہے۔ مزاحیہ ادب کی کسی بھی حوالے سے تاریخ لکھی جائے تو ان کا کردار نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور اردو دان حلقوں میں اس صنف سے دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فائونڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص۱۴۹

۲۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳

۴۔ ایضاً، ص ۲۳

۵۔ ایضاً، ص ۲۵

۶۔ ایضاً، ص ۲۷

۷۔ ایضاً، ص ۱۷

۸۔ ایضاً، ص ۸۳،۸۲

۹۔ وحید الرحمان خان، اردو طنز و ظرافت: فن اور روایت، بیت الحکمت، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۷۹

۱۰۔ مسز آفتاب مسرور عالم خان، اردو نثری ادب میں طنز و مزاح کی روایت اور فن، ایچ ای سی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۲۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۴

۱۶۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۷

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۹۲

۱۸۔ اقرار حسین شیخ، مزہ نگاریاں، دارالکتاب، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۹۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۱۵

۲۱۔ ایضاً، ص ۲۱۵